علی وال ، سبھراؤں کے مقامات پر پانچ لڑائیاں ہوئیں سخت خونریزی کے بعد خالصہ فوج کو شکست ہوئی ۔ قصور پر انگریزی قبضے کے بعد سکھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ معاہدہ لاہور کے مطابق ستلج سے بیاس تک کا علاقہ کمپنی کے قبضے میں چلا گیا ۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان جنگ کی وصولی کے لیے وادیٔ کشمیر ۷۵ لاکھ کے عوض گلاب سنگھ کے حوالے کردی گئی اور اسے بھی دلیپ سنگھ کے ساتھ خطاب مہاراجگی دے کر اپنا ماتحت بنا لیا گیا ۔ تین سال بعد سکھوں سے انگریزوں کی دوسری جنگ ہوئی جو چناب کے آس پاس رام نگر ، چیلیانوالہ ، گجرات میں لڑی گئی ۔ شکست کھانے کے بعد سکھوں کے سپہ سالار شیر سنگھ اٹاری والا نے ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو مانکیالہ میں انگریزی سپاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو گورنر جنرل نے پنجاب کے اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا ۔

اس طرح پنجاب نے غزنوی اور دہلوی سلاطین اور پھر مغلیہ عہد کی طویل خوش حالی و ترقی کے بعد پون صدی تک سکھ گردی کا جو اذیت ناک دور دیکھا وہ اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے بھیانک مناظر تاریخی عمارتوں کے کھنڈروں کی صورت میں چھوڑتا ہوا رخصت ہوا ۔ یہ مناظر ایک عرصے تک مقامی باشندوں اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے عبرت کا ساماں پیش کرتے رہے اور بربادی کے بعض نقوش اب بھی چند عمارتوں میں نمایاں ہیں ، لیکن ان زخموں کو کون دیکھ سکتا ہے جو لوگوں کے جسموں اور روحوں پر لگے ۔

پنجاب میں آٹھ صدیوں پر پھیلا ہوا اسلامی عہد کا یہ طویل دور نفسیاتی لحاظ سے تین رجحانات کا آئینہ دار ہے ۔ پہلا رجحان عہد سلاطین کی پانچ سو سالہ تاریخ میں ملتا ہے ۔ اس دور میں پنجاب قوت ، اقتدار اور استحکام کا سرچشمہ بنا رہا ۔ مرکز سلطنت کو ضرورت کے موقع پر نئی قیادت اور تازہ خون فراہم کرنا اور تاتاریوں کی وحشیانہ یلغاروں کو روکنا پنجاب کی تاریخی ذمہ داری ہو گئی تھی ۔ اس ذمے داری کو اہل پنجاب نے بڑے اعتماد اور جرأت سے سر انجام دیا ۔ عہد مغلیہ میں پنجاب کی یہ ذمے داری ختم ہو گئی نتیجتاً وہ عسکری قوت اور خود اعتمادی بھی باقی نہ رہی ۔ تاہم مغل سلطنت کے خوشحال صوبجات میں پنجاب کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اس خوشحالی نے تہذیب و ثقافت کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا، اگرچہ اس تہذیب و ثقافت کے مرکز دہلی و آگرہ تھے۔ اس تقلیدی رجحان نے رفتہ رفتہ قوائے عمل کو شل کر دیا اور دور زوال میں یہاں مسلمان اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی قلیل التعداد سکھوں کے محکوم اور ان کے مظالم کا شکار ہو گئے ۔ آخری دور کا یہ منفعل رجحان اور شکست خوردگی پہلے دور کے رجحان سے بالکل مختلف نظر آتا ہے لیکن اس رجحان کے تار و پود مغلیہ عہد کے سیاسی ، تہذیبی اور ثقافتی رویوں سے ملتے ہیں جنھوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو خوشحالی اور فارغ البالی تو دی لیکن ساتھ ہی انھیں اس ذمے داری سے سبکدوش اور خود اعتمادی سے محروم کر دیا جو پانچ صدیوں تک ان کا طرۂ امتیاز رہا تھا ۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر*

امیر خسروؒ کی مرثیہ نگاری اور مرثیۂ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

بلا شبہ امیر خسروؒ ایک نابغۂ ادبی اور نادر روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ قلمرو سخن کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں ان کے اشہب قلم نے اپنی جولانیاں نہ دکھائی ہوں۔ اگرچہ دنیائے شعر و ادب کے اس آفتاب عالمتاب اور ہمارے زمانے کے درمیان بیتی صدیوں کے سات دبیز پردے حائل ہیں لیکن اس کی ضیاء پاشیاں آج بھی جوں کی توں اور چار دانگ عالم پر محیط ہیں اور اب جب کہ جہان ادب و عرفان اور عالم دانش و بینش کا یہ رستم سات طویل اور پر پیچ صدیوں کا هفت خوان طے کرکے اورنگ ابدیت پر براجمان ہو چکا ہے پورے ایمان و ایقان کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک اس عالم رنگ و بو میں سخندانی و سخن پرانی کا نام و نشان باقی ہے اس خسرو اقلیم سخن کی خسروی کا ڈنکا بجتا رہے گا جیسا کہ اس نے خود بھی پیشگوئی کی ہے:

مرا ست تا بقیامت ولایت معنی

ان کے معاصرین، متوسطین اور متأخرین میں سے بیسیوں مؤرخوں، تذکرہ نویسوں اور سخن پردازوں نے تواتر اور تسلسل کے ساتھ ان کی متنوع اور جامع الحیثیات شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے، مثلاً ان کے معاصرین میں سے ضیاء الدین برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی فرماتے ہیں:

"امیر خسرو در جمیع فنون ممتاز و مستغنی بود۔ همچنان ذوفنونی که در جمیع فن‌های شاعری سرآمده و استاد باشد در سلف نبود و در خلف تا قیامت پیدا آید یا نیاید"۔[۱]

متوسطین میں سے شیخ عبدالحق محدث دهلوی صاحب اخبار الاخیار کے بقول:

"آنچه او را از مضامین و معانی اطوار سخن و انواع آن دست داد، هیچ کس را از شعرای متقدمین و متأخرین نداده و در طرز سخن بر فرمودۂ شیخ خود رفته است"۔[۲]

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، پنجاب یونیورسٹی۔

۱۔ ضیأ الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۹۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دهلوی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، ص ۱۲۲۔

متأخرین میں سے علامہ شبلی نعمانی کا کہنا ہے :

''فردوسی ، سعدی ، انوری ، حافظ ، عرفی اور نظیری بے شک اقلیم سخن کے جم و کے ہیں لیکن ان کی حدود مملکت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتی ۔ فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا ، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے ، انوری مثنوی اور غزل کو نہیں چھو سکتا ، حافظ ، عرفی اور نظیری غزل کے دائرے سے نہیں نکل سکتے لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل ، مثنوی ، قصیدہ ، رباعی سب کچھ داخل ہے'' ۔

آج کل کے علمأ و ادبأ میں سے بھی بے شمار نے امیر خسرو کی شخصیت کی جامعیت اور ہمہ گیری کا بالتفصیل ذکر کیا ہے ۔ اگر ان حضرات کے محض نام ہی گنوانا مقصود ہو تو بھی کئی صفحات درکار ہوں گے لہٰذا اس ضمن میں عرشی امرتسری کے درج ذیل شعر پر اکتفا کرنا ہی مناسب ہے :

'' بحر در کوزہ نیست اِلّا ھو
در کمالات لا شریک لہ ''

اگرچہ گذشتہ قرون و اعصار کےدوران ہمیشہ تمام جہان فارسی میں طوطی شکر مقال حضرت امیر خسرو علیہ رحمہ کا طوطی بولتا رہا لیکن گذشتہ چند برسوں میں نہ صرف پاکستان ، ہندوستان ، افغانستان، ایران اور تاجکستان بلکہ سارے جہان میں ان کی زمزمہ پردازیوں اور ادب نوازیوں کا غیر معمولی چرچا رہا ۔ ان کے سات سو سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے دنیا بھر میں ان کے نبوغ ادبی کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا ۔ پاکستان میں بھی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ادبی جلسے ہوئے ، کانفرنسیں منعقد ہوئیں ، مجلات و جرائد کے یادگاری اور مخصوص شمارے نکالے گئے ، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی نمائشیں ترتیب دی گئیں ، قلمی نسخوں کی چھان پھٹک کی گئی ۔ ان کی تصحیح و اشاعت اور شائع شدہ متون کی تجدید اشاعت کے منصوبے بنائے گئے اور بعض دیگر اقدامات عمل میں لائے گئے ۔

پاکستان نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے بھی امیر خسرو علیہ رحمہ سے متعلق بعض کتب کی اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا گیا جس کے تحت مختلف موضوعات پر کتابوں کی ترتیب و تدوین اور تصحیح کا کام مختلف حضرات کے سپرد کیا گیا ۔ اسی ضمن میں ''متفرقات امیر خسروؒ'' کی جمع آوری اور تصحیح و تحشیہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی گئی ۔

اس سلسلہ میں جب پہلے پہل حضرت امیر خسرو کے احوال و آثار اور اس سے متعلقہ وسیع کام کا ابتدائی اور سرسری جائزہ لیا تو اس کی وسعت اور ہمہ جہتی کی

۱۔ علامہ شبلی نعمانی ، حیات خسرو ، ص ۱۸ ۔

بنا پر خیال کیا کہ ''کار مغان بپایان رسید'' لیکن بنظر غائر جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ ہنوز ''ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است'' ۔

اگرچہ دور حاضر کے محققین نے ان کی کثیر الجہات شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی ہے لیکن بیشمار پہلو ہنوز تاریکی میں ہیں ۔ مثال کے طور پر بہت کم اہل علم کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک عظیم مرثیہ نگار بھی تھے ۔ وہ علامہ شبلی کے حوالہ سے اس بارے میں عموماً اتنا ہی جانتے ہیں کہ انھوں نے ''خان شہید کے مرنے پر جو مرثیہ لکھا تھا ، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھا ، دربار میں کہرام مچ گیا ، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا ۔ سلطان اس قدر رویا کہ بخار آ گیا اور بالاخر اسی صدمہ میں انتقال کر گیا''[1] اس مرثیہ کے ، جو کہ ترکیب بند کی صورت میں ہے ، دو بند شبلی نے ''حیات خسرو'' میں نقل کیے ہیں ۔[2] بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے اس مشہور زمانہ مرثیہ کے علاوہ بھی بہت سے پر اثر اور درد انگیز مرثیے لکھے ہیں ۔ خود خان شہید ہی کے تین اور مرثیے راقم کی نظر میں ہیں جن سے اکثر اہل نظر واقف نہیں ۔ ان میں سے ایک مرثیہ کے چند شعر نذر قارئین ہیں :

''آوخ کہ تاج جوهر عالم بخاک شد
دردا کتاب گوهر آدم بخاک شد
در خاک رفت مردمک چشم روزگار
بس خون دل ز دیده درین غم بخاک شد
آن ماه آسمان معانی بچاه رفت
وان یادگار خان معظم بخاک شد''[3]

ایک اور مرثیہ کی صورت میں ان کے قلم نے کچھ یوں آنسو ٹپکائے ہیں :

''ای دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند
ای دیده خون گری کہ طرب در جهان نماند
چشم و چراغ خسرو روی زمین برفت
پشت و پناه کشور هندوستان نماند
از مملکت چہ کام برآید چو خان بشد
وز کالبد چہ کار گشاید چو جان نماند''

۱۔ شبلی نعمانی ، حیات خسرو ، ص ۷ ۔
۲۔ ''واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جهان آمد پدید''
۳۔ امیر خسروؒ ، وسط الحیات ، قلمی نسخہ نمبر ۲ ، انڈیا آفس ، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین ۔

ایک اور مرثیہ میں انھوں نے اپنے جوانمرگ ممدوح کی مفارقت پر یوں ماتم کیا ہے :

''امروز اگر ز تن برود جان ، دریغ نیست
ور خون شود درونہ ز افغان ، دریغ نیست
بر خشک ماند کشتی امید ، نا روان
رانیم اگر ز هر مژه طوفان ، دریغ نیست
تن همچو پیرهن ز سر روح برکشم
پس بر درم بجای گریبان ، دریغ نیست''[1]

انھوں نے خان شہید کے علاوہ بھی بعض ممتاز تاریخی شخصیات کے مرثیے لکھے ہیں جن میں سے نمایاں ترین نام شہزادہ محمود خانخانان بن سلطان جلال الدین خلجی ، سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے ہیں - سلطان جلال الدین خلجی کے ولی عہد اور لائق فرزند ، شہزادہ محمود سلطان ، کی مرگ ناگہان پر ان کے رنج و اندوہ کی تصویر ملاحظہ فرمائیں :

''چہ روز است این کہ من خورشید تابان را نمی بینم
وگر شب شد چرا ماه درخشان را نمی بینم
دو روزی هست کاندر ابر ماند است آفتاب من
کہ اندر چشمها جز ابر و باران را نمی بینم
شہ آنک بر سر تخت و بزرگان صف زده هر سو
همان هستند لیکن خان خانان را نمی بینم
چو دولت کور دیدم ، گفتمش ، خواهی بصر ؟ گفتا
چہ خواهم کرد چون محمود سلطان را نمی بینم''[2]

سلطان علاء الدین خلجی کے مرثیہ کے چند شعر پیش خدمت ہیں :

''کوچ است شاه را علم و چتر بر کنید
وز دیده در رکاب نثار گہر کنید
عزمش بکشور دگر است از پی وداع
هر جا کہ مخلص است بشهرش خبر کنید
ای اهل شهر شاه جهان میشود روان
در بارگہ روید و وداع سفر کنید

۱- امیر خسرو علیہ رحمہ ، وسط الحیات ، قلمی نسخہ نمبر ۲ ، انڈیا آفس ، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین -

۲- امیر خسرو ، غرة الکمال ، قلمی نسخہ ، زیر شمارہ ۲۵۸۰۷ ، برٹش میوزیم ، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین -

خورشید اگر بسر نکند خاک ازین دریغ
زود از غبار کوکبہ خاکش بسر کنید''۱

قطب الدین مبارک خلجی کے مرثیہ میں انھوں نے یوں اشک بہائے ہیں :

''وہ چہ فتنہ است اینکہ پیدا ز انجم افلاک شد
کز سواد دھر نقش شاہ عالم پاک شد
مرکب چوبین گزید و رفت بیرون از جہان
آنکہ خاقان و قبادش بستہٴ فتراک شد
در بہار عمرش از صد گل یکی نشگفتہ بود
نا شگفتہ آن ہمہ گلہا مگر خاشاک شد''۲

شاہوں اور شاھزادوں کے علاوہ انھوں نے اپنے عزیزوں اور قرابتداروں کے مرثیے بھی لکھے ہیں جو فردیات ، قطعات ، رباعیات ، مثنویات ، ترکیب بند ، ترجیع بند ، غرض ہر صورت میں موجود ہیں -

زندگی کا سب سے پہلا صدمہ انھیں انتہائی بچپن میں والد کی شہادت کی صورت میں برداشت کرنا پڑا - ان کا اس سلسلہ کا یہ شعر آج بھی ہر یتیم بچے کے دل کی آواز ہے اور باپ کے سایہٴ عاطفت سے محروم ہو جانے والے بچوں کے دلوں کو دونیم کیے دیتا ہے :

''سیف از سرم گذشت و دل من دونیم شد
دریای من روان شد و در یتیم ماند''

باپ کے بعد مشفق نانا ، عماد الملک ، نے اپنی بے پایاں شفقتیں ان پر نچھاور کیں مگر بیس سال کے ہوئے تو وہ بھی دامن چھڑا کر جنت کو سدھارے - انھوں نے اپنے شفیق نانا اور مربی کی وفات پر جو مرثیہ کہا وہ ایک ترکیب بند کی صورت میں تحفۃ الصغر میں موجود ہے - اس کے پہلے بند کے چند شعر درج ذیل ہیں :

''آوخ کہ باز شمع فلک در نقاب شد — افسوس کان چراغ دو عالم بخواب شد
روشن زمانہ بر صفت شام تیرہ گشت — مطلق جہان مقید رنج و عذاب شد
چندین ہزار گل کہ شب اندر ہوا فشاند — از آہ من بشیشہٴ گردون گلاب شد''

۱- امیر خسرو ؒ ، بقیہ نقیہ ، نسخہٴ ترکیہ ، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین -
۲- ایضاً ، نہایت الکمال ، قلمی نسخہ ، کتابخانہٴ دانشگاہ پنجاب -
۳- ڈاکٹر وحید مرزا ، زندگی و آثار امیر خسرو ، ص ۲۲ -
۴- امیر خسرو ، تحفۃ الصغر ، نسخہٴ برٹش میوزیم -

۸۹۸ھ میں جب کہ وہ مثنوی مجنون و لیلیٰ لکھنے میں مشغول تھے انھیں دو شدید جذباتی دھچکے پہنچے ۔ ان کی مادر مہربان ، دولت ناز ، اور برادر عزیز ، حسام الدین قتلغ ، یکے بعد دیگرے انھیں داغ مفارقت دے گئے ۔ غم دیدہ اور ستم رسیدہ شاعر نے اپنی دو عزیز ہستیوں کے غم کو ایک ہی مرثیے میں سمو دیا ۔ یہ مرثیہ جو کہ مثنوی کی صورت میں ہے اپنے سوز و گداز اور اثر آفرینی کے اعتبار سے حد درجہ اہم ہے ۔ فرماتے ہیں :

''امسال دو نور از اخترم رفت ہم مادر و ہم برادرم رفت
چون مادر من بزیر خاک است گر خاک بسر کنم چہ باک است
ای مادر من کجائی آخر روی از چہ نمی نمائی آخر
چونست در بر تو همسر من فرزند تو و برادر من
چون حرف پدر همہ ز بر کرد هم عزم ولایت پدر کرد
شد جان پدر ز جان او شاد لیکن غم او بہ جانم افتاد''[۱]

اپنے جگر گوشے ، محمد ، کی وفات کے حادثۂ جانکاہ پر ان کے دل پر جو گزری دیکھیے اس کیفیت کو کیسے رقم کرتے ہیں :

''یا رب اندر دل خاک آن گل خندان چونست ؟
ماه تابان من اندر شب هجران چونست ؟
من چو یعقوب ز بس کور شدم ، دیده سفید
آخر آن یوسف گم گشتہ بزندان چونست ؟
من درین خاک بزندان غم و دور از وی
او ز من دور بصحرا و بیابان چونست ؟
آن غریب من بیکس کہ بتنہا رفتہ است
بیکس و تنہا در کوی غریبان چونست ؟
گوهری بود کزین دیده بغلطید از خاک
دیده خود خاک شد آن گوهر غلطان چونست ؟''[۲]

ایک دوسرے بیٹے ، حاجی ، کی موت پر یوں اپنے غم کو منعکس کرتے ہیں :

''بی رویت ای چراغ دل پارهٔ پدر جز سوختن نماند دگر چارهٔ پدر
باز آی جان رفتہ من از جهال خویش باز آر عمر رفتہ آوارهٔ پدر
بر گور تو چو گریہ کنم خیز و از کفن کن پاک خون ز دیدهٔ رخسارهٔ پدر''[۳]

۱۔ اقتباس از مثنوی مجنون و لیلیٰ ۔
۲۔ امیر خسرو ، غرة الکمال ، نسخۂ ترکیہ ۔
۳۔ ایضاً ، دیوان نہائت الکمال (مطبوعہ) ، دھلی ایڈیشن ۔

کلام خسرو کے بحر ذخار میں معاصر بادشاہوں ، بادشاہ زادوں ، امراء اور ان کے اعزہ و اقرباء کے مرثیے مختلف اصناف سخن کی صورت میں موج در موج نظر آتے ہیں - یہاں پر ''مشتی از خروار و اندکی از بسیار'' کے مصداق صرف چند ایک مراثی کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور بیشتر ایسے مراثی سے جستہ جستہ اشعار نقل کیے گئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آئے تھے - اس اجمال کی تفصیل اور ان مرثیوں کے تجزیہ و تحلیل کی اس مقالہ میں گنجائش نہیں اس لیے بہتر ہے کہ اس کام کو کسی اگلے موقع کے لیے اٹھا رکھیں -

امیر خسرو کو جو تعلق خاطر اور والہانہ عشق سلطان المشائخ ، محبوب الٰہی ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی ذات بابرکات سے تھا وہ دنیائے تصوف میں شائد ہی کسی مرید باصفا کو اپنے پیر طریقت سے ہوا ہوگا - مرید کے مراد سے عشق کی نمایاں ترین مثال مولانا روم کا شمس تبریز سے عشق ہے لیکن بظاہر یہ عشق یک طرفہ عشق تھا مگر جہاں تک خسرو نظام عشق کا تعلق ہے یہ عشق نہیں بلکہ معاشقہ تھا اور دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی -

حضرت امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد سے کچھ ایسا ہی عشق تھا جیسا پروانے کو چراغ سے ، بلبل کو پھول سے ، چکور کو چاند سے اور ماہی کو آب سے ہو سکتا ہے - ابھی سات ہی برس کے تھے کہ حضرت خواجہ نظام کے دست حق پرست پر بیعت کی ، پھر بیس سال کی عمر میں سن شعور کو پہنچنے کے بعد تجدید بیعت کی اور ہمیشہ کے لیے درگاہ محبوب الٰہی کی غلامی اختیار کر لی - مرشد کی خوشنودی ان کا دین و ایمان بن گئی اور اس کے حصول کے لیے اگر کبھی ضرورت پڑی تو جان کی بازی لگا دی -[1] مہد سے لحد تک ان کی اپنے شیخ کے ساتھ محبت و ارادت نہ صرف یہ کہ ہمیشہ برقرار رہی بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا -

ان کا کلام بلاغت نظام کم و بیش ان کے مرشد خواجہ نظام ہی کی تعلیمات و خیالات کا پرتو ہے - یہ اسی ربط باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی شاعری نہ صرف یہ کہ اپنے مرشد کے عارفانہ افکار و تصورات کی شارح اور مبلغ بلکہ اسرار معرفت و عرفان کی آئینہ دار بن گئی - حضرت خواجہ سماع کے دلدادہ تھے تو حضرت امیر

۱- کہتے ہیں سلطان جلال الدین خلجی سلطان المشائخ کی زیارت کے مشتاق تھے اور سلطان المشائخ ملاقات سے بیزار - خلجی سلطان نے بلا اطلاع جانے کا قصد ظاہر کیا - امیر خسرو نے مخبری کر دی اور وہ بادشاہ کی آمد سے پہلے اجودھن (پاکپٹن) کی طرف نکل گئے - جواب طلبی پر حضرت امیر نے جواب دیا ''سلطان کے خفا ہونے سے جان جانے کا خطرہ تھا لیکن شیخ کی رنجش سے ایمان جانے کا خدشہ تھا'' - فروغ اردو (لکھنئو) ، امیر خسرو نمبر ، ص ۴۳ -

موسیقی اور عارفانہ شاعری کے رسیا ۔ وہ صوفیانہ اشعار سناتے تو ان کے پیر طریقت ایک سرمدی کیف و سرور کی حالت میں جھوم جھوم جاتے اور جن اشعار پر وہ وجد فرماتے زبان زد خلائق ہوکر جریدۂ عالم پر ثبت ہو جاتے ۔

قسام ازل نے خسرو کو ایک ایسا دل دیا تھا جو حسن کا متوالا تھا ۔ حسن خواہ مادی ہو خواہ معنوی ہر حال میں ان کے دامن دل کو کھینچ لیتا تھا ۔ جہاں تک حسن معنوی کا تعلق ہے محبوب الٰہی کی شخصیت کے معنوی حسن نے امیر کے دل کو ہمیشہ اپنا اسیر بنائے رکھا ۔ ان کی غزلیات میں جب بھی محبوب کا ذکر آتا ہے عموماً ان کا روئے سخن اپنے مرشد روحانی ، محبوب الٰہی ، ہی کی طرف ہوتا ہے ۔

غزلیات و قصائد کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی انھوں نے جابجا اپنے مرشد کو خراج عقیدت و ارادت پیش کیا ہے اور اپنی پانچوں مثنویاں سلطان وقت سے پہلے سلطان مشائخ کے نام معنون کی ہیں[۱] جن میں ان کے بارے میں مدحیہ اشعار لکھے ہیں جو مطبوعہ صورت میں مل جاتے ہیں ۔ ذیل میں اس موضوع پر ان کی چند رباعیات اور قطعات پیش کیے جاتے ہیں جو غالباً اس سے پہلے کبھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے :

"شیخی کہ طلب کرد و مراد برسید — در ملک ابد عنان گشاد و برسید
در درگہ حق بی جہت ہست بلند — بر ہر دو جہان پای نہاد و برسید"[۲]

"ای خواجہ دلت چو محرم غیب بود — می پوش ہر آنچہ لاریب بود
اسرار خدا برون میفگن کہ ز غیب — یک نقطہ اگر برون فتد عیب بود"[۳]

"ای پیر خاک پای تو نور سعادتست — مقراض تو بمرتبۂ لا شہادتست
ہستی تو آن نظام کہ نون خطاب تست — محراب راست کردہ برای عبادتست
در عہد تو قوام جہان از وجود تست — مانند صورتی کہ قیامش بمادتست"[۴]

"خواجۂ ما نظام حق شیخی است — کافتاب کمال شد رخ او
از جنید و ز شبلی و معروف — یادگاریست ذات فرخ او"[۵]

۱۔ پروفیسر محمد حبیب ، حضرت امیر خسرو دہلوی ، ص ۳۹ ۔
۲۔ امیر خسرو ، غرۃ الکمال ، نسخۂ برٹش میوزیم ، ورق ۳۲۶ ۔
۳۔ ایضاً ۔
۴۔ ایضاً ، نہایت الکمال ، نسخۂ کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب ۔
۵۔ ایضاً ، غرۃ الکمال ، نسخۂ برٹش میوزیم ۔

"چو پای برسر انجم نهاد شیخ نظام — اگر پرد بهوا این مگو کراماتش
بلند تخت ورا اطلس فلک ته پاش — ولی گلیم شده رایت علاماتش
ز ملک نقد بکمتر مرید می بخشد — ولایتی که دو عالم بود مضافاتش
رسید زلزلۂ صور و می نیفتد چرخ — که شد ستونۂ اورنگ بی ستون ذاتش
همیشه برسر سجاده باد تا بمیان — نجات زمرۂ دین باشد از مناجاتش"

بندۂ شیخ ماست دنیا و مال — کش تو دینار و تنکه کردی نام
بنده گر نیست چون همی بخشد — بنده وارش روان بخاصه و عام
وان مشائخ دگر که در عهد اند — مال را بنده اند همچو غلام
پس از ینروی شان همه هستند — بندۂ بندگان شیخ نظام"[2]

امیر خسرو کے لیے سلطان المشائخ کی ذات والاصفات بمنزلۂ کعبۂ عشق تھی اور وہ مرتے دم تک اسی قبلہ کی طرف رخ کرکے اپنی نماز عشق ادا کرتے رہے۔ مرید و مراد کا یہ مشترکہ شعر اسی حقیقت کا عکاس ہے۔

هر قوم راست راهی، دینی و قبله گاهی
من قبله راست کردم بر سمت کجکلاهی

وہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ اپنے پیر طریقت کے نام ہی کی مالا جپتے اور فنا فی‌اللہ ہونے کے لیے فنا فی الشیخ ہو جانے کے خواب دیکھتے رہتے تھے:

امید کز تو واصل گردد چو حرف پیر
خسرو که بی وصال چو حرف ارادت است

بالاخر نظام نظام کہتے کہتے خود ہی نظام ہوگئے اور یوں من و تو کا امتیاز ختم ہو کر رہ گیا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

آتش عشق صرف خرمن پروانہ ہی میں نہیں لگتی بلکہ اس کے شعلہ سے خود شمع کا دامن بھی آگ پکڑے بغیر نہیں رہتا۔ اگر امیر خسروؒ حضرت محبوب الٰہی پر پروانہ وار نثار ہونے کو تیار رہتے تھے تو حضرت محبوب الٰہی بھی شمع صفت امیر خسرو کی جدائی کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود — تا نسوزد شمع کی پروانہ شیدا میشود؟

۱۔ امیر خسرو، بقیۂ نقیہ، نسخۂ ترکیہ۔
۲۔ ایضاً۔

سلطان المشائخ جو کہ سلاطین وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اس خسرو اقلیم سخن کی یوں تعریف فرماتے اور کمال شفقت سے انھیں "خسرو ما" کہہ کر اپناتے تھے :

"خسرو کہ بشاعری نظیرش کم خاست در ملک سخنوری شھی خسرو راست
این خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدای ناصر خسرو ماست"[۱]

کسی مرید کے اپنے پیر سے عشق کی تو بہت سی مثالیں مل جائیں گی لیکن کسی پیر کے اپنے مرید سے عشق کی مثال اس کے علاوہ شاذ ہی ملے گی ۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے نظم و نثر میں مختلف مواقع پر امیر خسرو سے جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا مشکل نہیں کہ جہان تصوف میں کبھی کسی پیر کو کسی مرید سے ایسی شدید محبت نہیں رہی جیسی کہ محبوب الہی کو اپنے محبوب (ترک) سے تھی ۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے :

"اگر در روز حشر از من سؤال شود کہ نظام الدین چہ آوردی ؟ خسرو را تقدیم خواہم داشت"[۲] ۔

ایک بار انھوں نے یہاں تک فرمایا :

"الھی بسوز سینۂ این ترک مرا ببخش"[۳]

ایک روائت کے مطابق ایک دفعہ امیر خسرو نے کسی درویش سے اپنے مرشد کے نعلین مبارک پانچ لاکھ ٹنکوں کے عوض خریدے اور انھیں اپنے سر پر رکھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۔ حضرت خواجہ نے فرمایا :

"نعلین ما را ارزان خریدی" انھوں نے جواب میں عرض کیا : "درویش بہ پنج لک تنکہ اکتفا کرد ، اگر جانم را ھم در بہای این طلب میکرد میدادم"[۴]۔

متاع وصل جانان بس گران است
گر این سودا بجان بودی چہ بودی

دوسری طرف حضرت امیرؒ نے بھی اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے باعث شیخ الشیوخ حضرت محبوب الہی کے دل میں اس قدر گھر کر رکھا تھا کہ وہ بھی اپنے سر سے ہاتھ دھونے کو تیار تھے مگر اپنے ترک کو اپنے ہاتھ سے کھونے کو تیار نہ تھے ۔ جیسا کہ اس ضمن میں انھوں نے خود اپنی زبان درر بار سے فرمایا ہے:

۱- قویم الدولہ ، امیر خسرو دہلوی ، تہران ، ص ۶۲ ۔
۲- ایضاً ، ص ۶۴ ۔
۳- سعید نفسی ، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی ، ص ۱۰ ۔
۴- قویم الدولہ ، امیر خسرو دہلوی (تہران) ، ص ۶۴ ۔

"گر برای ترک ترکم اره بر تارک نهند
ترک تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترک ترک"[1]

محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کیا ۔ امیر خسرو اس وقت لکھنوتی یا ایک دوسری روائت کے مطابق لکھنئو میں تھے ۔ مرشد کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر دہلی پہنچ کر سنی یا سن کر دہلی پہنچے قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں ۔ بہرحال اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع ملتے ہی بھاگم بھاگ سلطان المشائخ کے مرقد اقدس پر پہنچے اور بصد حسرت و یاس یہ شعر پڑھا :

"این مکانیست کہ منزلگہ جانان بوده است
راه آمد شد آن سرو خراسان بوده است"[2]

پھر حیرت و استعجاب کے عالم میں بڑبڑائے :

سبحان اللہ ! آفتاب زیر زمین و خسرو زنده"[3]

شدت اندوہ سے آپ پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی ، گریبان پھاڑ دیا اور بیہوش ہوکر گر پڑے ۔ جب ذرا سنبھلے تو دنیا ان کی نظروں میں اندھیر ہوگئی اور ہر چیز سے ان کا جی بھر گیا ۔ وہ رعنائی خیال جو کہ فقط محبوب الہی کے تصور سے تھی اب کہاں ، ان کی رنگا رنگ بزم آرائیاں نقش و نگار طاق نسیان ہوکر رہ گئیں ۔ شعر گوئی سے بھی قریب قریب کنارہ کش ہوگئے ۔ جب تک زندہ رہے خانقاہ نظامی میں جاروب کشی کے ساتھ ساتھ اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے اپنے اس دوہے کا ورد کرتے رہے :

"گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چو دیس"[4]

حضرت امیر خسروؒ نے اپنے محبوب، محبوب الہی، کی وفات کے بعد بادشاہان دنیا کے درباروں سے رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اس بادشاہ دین پناہ کی درگاہ سے ناطہ جوڑ لیا جس کے بارہ میں انھوں نے مثنوی مجنون و لیلیٰ میں حمد و نعت کے بعد اور مدح بادشاہ وقت ، سلطان علاء الدین خلجی ، سے پہلے فرمایا تھا :

"در حجرۂ فقر پادشاهی   در عالم جان جہان پناهی

۱۔ سعید نفیسی ، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی (تہران) ، ص ۱۰ ۔
۲۔ ایضاً ۔
۳۔ ایضاً ۔
۴۔ ظ ۔ انصاری و ابوالفیض سحر ، خسرو شناسی، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی، ص ۷ ۔

شاهنشه بی سریر و بی تاج   شاهانش بخاک پای محتاج''[1]

اور درگاہ محبوب الٰہی میں اللہ سے لو لگا کر اپنی زندگی کے دن گننے لگے :

''جدا گشتم از درگہ پادشاہ   بدان درگهم بیش ازین رہ نبود

گرفتم رہ درگہ ایزدی   گزین بہ مرا هیچ درگہ نبود''[2]

حضرت امیر خسروؒ کو یقین تھا کہ اب ان کی زندگی کا سورج بھی غروب ہوا چاہتا ہے کیونکہ بقول ان کے ان کی وارفتگی اور والہانہ پن دیکھ کر ان کے مرشد نے اپنی زندگی ہی میں پیشگوئی فرما دی تھی کہ وہ ان کے بعد زیا ہ عرصہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔[3] آخرکار ہجر و فراق کا یہ مختصر سا دور خدا خدا کرکے اختتام کو پہنچا اور جس طرح حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد آپ سے جا ملی تھیں امیر خسروؒ بھی اپنے محبوب مرشد کی وفات کے ٹھیک چھ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو ان سے واصل ہوگئے ۔

امیر خسروؒ اور محبوب الٰہی معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ انھیں اگر ''یک جان و دو قالب'' کہیں تو بیجا نہ ہوگا ۔ چنانچہ وہ زندگی بھر جلوت و خلوت میں ایک دوسرے کے ہمراز و دمساز رہے ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات مجھے نہ صرف دنیا سے بلکہ اپنی ذات سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے ۔ ایسے موقع پر صرف خسرو ہی کی صحبت میں طبیعت راہ راست پر آتی ہے ۔[4] دونوں برگزیدہ ہستیوں کو نہ صرف زندگی میں بلکہ موت کے بعد بھی ایک دوسرے سے جدا ہونا پسند نہ تھا ۔ بقول نفیسی ایک بار آپ نے فرمایا تھا :

''اگر در شرع شریف جایز می بود وصیت میکردم امیر خسرو را در قبر من دفن کنند تا هر دو در یک جا باشیم ۔ پس از من نخواهد زیست و چون از این جهان رفت پیکرش را در کنار من بخاک بسپارید کہ او صاحب اسرار منست و من بی او قدم بہ بهشت نمی نهم''[5] ۔

مختصر یہ کہ محبوب الٰہیؒ کے عاشق صادق امیر خسرو جو کہ اپنی زندگی کی بے شمار راتیں اس آرزو میں نہ سو پائے کہ ان کے قدموں میں آنکھیں بچھائیں اور

۱۔ اقتباس از مثنوی مجنون و لیلیٰ ۔

۲۔ قویم الدولہ ، امیر خسرو دہلوی (تہران) ، ص ۷۸ ۔

۳۔ سعید نفیسی ، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی ، تہران ، ص ۱۰ ۔

۴۔ پروفیسر شرر نعمانی ، خسرو — ایک مرید ، مجلہ ہم سخن ، کراچی ، ص ۲۸۹ ۔

۵۔ سعید نفیسی ، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی ، تہران ، ص ۱۰ ۔

سو جائیں مرنے کے بعد آج تک اپنی اور اپنے محبوب کی خواہش کے عین مطابق ان کے بہت قریب ان کی پائنتی میں ابدی نیند سو رہے ہیں :

نخفت خسرو مسکین ازین هوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پایت نہد ، بخواب شود

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے حضرت امیر خسروؒ نے وقت کے تاجداروں کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور پیاروں کے مرثیے بھی لکھے ہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اور جیسا کہ مندرجہ بالا امثال و اقوال اور اشعار سے بھی ظاہر و آشکار ہے کہ ان کے تمام متعلقین میں سے جو ان کی زندگی میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ، جو ہستی انہیں اپنی ہستی سے بھی پیاری تھی ، جس کے سامنے سلاطین وقت بھی ہیچ تھے ، جس کے غم جدائی کے مقابل ماں ، باپ ، نانا ، بھائی اور بیٹے کی جدائی کا غم کوئی معنی نہیں رکھتا تھا ، جس کی رضا جوئی کی خاطر وہ بادشاہ وقت کی نا رضایتی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے ، اپنی تمام کمائی کے بدلے جس کی جوتیاں خرید کر پھولے نہیں سماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نعلین نہیں بلکہ کونین کی دولت ان کے ہاتھ آ گئی ہے ، جس کے بغیر انہیں ایک پل چین نہیں پڑتا تھا اور بیکل ہو ہو جاتے تھے اور جس کو پا کر وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے اور فرماتے تھے :

چون من مسکین ترا دارم همینم بس بود
شیخ من بس مهربان و خالقم آمرزگار

جس کے ہم پیالۂ احساس و ہم سبوئے سخن تھے ، جس کے دام محبت میں عمر بھر گرفتار اور نشۂ محبت سے مرتے دم تک سرشار رہے ، جس کی موت کا صدمہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا اور جو ہستی ان کے لیے ”خیمہ ہا از ہم جدا دلہا یکیست“ کا مصداق تھی ، وہ ہستی کون تھی ؟ ظاہر ہے وہ ہستی ان کے پیر و مرشد ، شیخ الشیوخ ، محبوب الہی ، حضرت خواجہ نظام الحق والدین کے سوا اور کون ہو سکتی تھی اور جو تعلق خاطر انہیں اپنے پیر طریقت سے تھا وہ کسی اور ہستی سے کیوں کر ہو سکتا تھا ؟

”متفرقات خسرو“ کے سلسلہ میں جب ضمنی کام کے طور پر خسرو کے مراثی کی جمع آوری کا کام شروع کیا تو ان کے درمیان اس ہستی کے مرثیہ کی کمی بری طرح سے کھٹکی جو دنیا میں ان کو سب سے زیادہ عزیز تھی۔ آہستہ آہستہ یہ کھٹک ایک مستقل خلش بن گئی۔ پھر اس پیہم خلش نے تحقیق و تدقیق کا روپ دھارا جس نے راقم کو تفتیش و تجسس اور کنجکاوی پر ابھارا۔ دل نہیں مانتا تھا کہ امیر خسروؒ جیسے پرگو اور قادر الکلام شاعر جو اپنے شیخ کی وفات کے

چھ ماہ بعد تک زندہ رہے ہوں ، جنھوں نے نظامی گنجوی کی مثنوی مخزن الاسرار کے جواب میں تین ہزار تین سو دس اشعار پر مشتمل مثنوی مطلع الانوار صرف پندرہ دن میں لکھی ہو ، جنھوں نے اپنے مرشد کی زندگی میں سینکڑوں شعر ان کی مدح میں کہے ہوں اور جنھوں نے خان شہید کے تین چار مرثیے لکھ ڈالے ہوں انھوں نے اپنی محبوب ترین ہستی کی وفات پر ایک مرثیہ بھی نہ لکھا ہو ۔

اس مفروضہ مرثیہ کی جستجو میں بے شمار تواریخ اور تذکرے دیکھے، ملکی اور غیر ملکی خسرو شناسوں کے مقالات کی ورق گردانی کی ، قلمی نسخوں کی خاک پھانکی ، مائیکرو فلموں میں تلاش کیا اور ممتاز ماہرین خسرویات سے بھی دریافت کیا لیکن کہیں سے گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا ۔

مرثیہ تو نہ ملا مگر دل کی خلش سوا ہوگئی ۔ آخرکار یہ مرثیہ مل ہی گیا ۔ ایک روز کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب میں حضرت امیر خسروؒ کے آخری دیوان یعنی نہایۃ الکمال کے ایک قلمی نسخہ کی ورق گردانی کے دوران اچانک ایک ترکیب بند پر نظر پڑی ۔ دل نے گواہی دی کہ یہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا مرثیہ ہے جو ان کے محب صادق حضرت امیر خسرو کے معجز نگار قلم سے نکلا ہے ۔ پھر اس مرثیہ کو از اول تا آخر دوبارہ پڑھا ۔ دل میں طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں نے جنم لیا ۔ بالآخر جب اسے بار بار پڑھا تو عین الیقین بتدریج حق الیقین اور پھر یقین الیقین میں بدل گیا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ یہ وہی مرثیہ ہے جس کی برسوں سے تلاش تھی ۔

اس دعویٰ کے اثبات کے لیے نہ تو کوئی خارجی شہادت موجود ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی ہے کیونکہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کے مصداق دعویٰ اور دلیل دعویٰ ہر دو اس کے متن کے اندر ہی موجود ہیں ۔ اس کے اشعار پکار پکار کر امیر خسرو کے مخصوص اسلوب سخن کی گواہی دے رہے ہیں اور ان کے مضامین اس پر شاہد ہیں کہ یہ اشعار حضرت خواجہ نظام الدین کے رثا میں کہے گئے ہیں ۔ اس مرثیہ کے مکمل تجزیہ و تبصرہ کی اس مقالہ میں ، کہ جس کا بنیادی مقصد امیر خسرو کی مرثیہ نگاری کی نقاب کشائی اور خاص طور پر ان کے مرثیۂ خواجہ نظام الدین اولیاء کی رونمائی ہے ، گنجائش نہیں اور اس کے لیے کسی آئندہ فرصت میں ایک الگ مقالہ درکار ہے اور یوں بھی :

آنچہ کہ عیاں است چہ حاجت بہ بیان است

اس مرثیہ میں بہت سے اشعار شاہد صادق ہیں لیکن چند ایک شعر تو ایسے ہیں جو اس مرثیے کے تعین کے سلسلہ میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں ۔ اس مرثیہ کے مختلف بندوں میں سے اس قبیل کے چند ایک منتخب شعر مع مختصر تبصرہ

پیش کیے جاتے ہیں ۔

اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے :

معظم بندہ ای کو را خدای مہربان خواند
بدرگاہ خودش از بہر قرب جاودان خواند

راقم کے خیال میں وہ بندۂ معظم جسے خدائے مہربان اپنی درگاہ میں قرب جاوداں کے لیے بلا رہا ہے وہ محبوب خسرو ، حضرت محبوب الٰہی ، کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔

بدین مایہ نباشد بندہ ای جز مقتدای ما
کہ از وی مقتدی اسرار وحدت ہر زمان خواند

سکندر نامہٗ خسروی میں حضرت امیر خسرو نے اپنے مرشد کو ''رہ قدس را پیشوای تمام'' کہا ہے اور یہاں پر وہ انھیں ''مقتدای ما'' قرار دے رہے ہیں جس سے راقم کے دعویٰ کی تائید ہو رہی ہے :

نظام حق کہ چون انّی عبیدک بر زبان آید
برو لبیک عبدی کردگار مہربان خواند

امیر خسرو کی عادت ہے کہ وہ محبوب الٰہی کے مدحیہ اشعار میں جابجا ان کا نام استعمال کرتے ہیں اور کبھی انھیں شیخ نظام ، کبھی نظام دین احمد اور کبھی نظام حق کہہ کہ خطاب کرتے ہیں ۔ اس مرثیہ میں بھی انھوں نے حسب عادت انھیں نظام حق کہا ہے جس سے راقم الحروف کے دعویٰ کی تائید مزید ہوتی ہے ۔

فرید اول اندر سلک خاصان چون گزین آمد
فرید دوم اندر سلک ایشان اینک این آمد

جو لوگ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی سوانح حیات سے واقف ہیں بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ بابا فرید گنج شکر کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ اس شعر میں حضرت امیرؒ نے اپنے مرشد کی ان کے مرشد سے اسی نسبت مریدی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ اس مرثیہ کے علاوہ ایک اور جگہ بھی انھوں نے ایسا کیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

شد سلک فرید از تو منظوم   زانست کہ شد لقب نظامت

ایک شعر میں انھوں نے اپنے پیر طریقت کے تصفیہٗ باطن ، تزکیہٗ نفس اور ان کی ماسوی اللہ سے کنارہ کشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

هم اندر زندگی شد روح صافی کاندران حضرت
همه تن روح باید گشتن و از خود جدا رفتن

اس مرثیہ کے کئی ایک شعروں میں مرحوم کے لیے ''خواجہٗ ما'' ، ''شیخ ما''

اور "پیر ما" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام طور پر امیر خسروؒ اپنے مرشد شیخ نظامؒ کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔

ازان پروانۂ یدعوکم اللہ یافت ذات او
کہ سر لی مع اللہ بود مضمون برات او

امیر خسروؒ کے ہاں کم و بیش اسی مفہوم کا ایک اور شعر بھی ملتا ہے جس میں انھوں نے حضرت نظام الدین اولیا کو خاصۂ قرب لی مع اللہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے :

ای خاصۂ قرب لی مع اللہ سر خیل مقربان درگہ

ایک اور شعر میں انھوں نے سلطان مشائخ کے الفاظ استعمال کرکے اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی کہ زیر بحث ترکیب بند آن کے مرشد ہی کا مرثیہ ہے کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ دنیائے تصوف میں سلطان المشائخ کا لقب حضرت خواجہ الدین اولیاؒ ہی کے لیے مخصوص ہے :

غلطہا افتد اندر سمت قبلہ بعد ازین زیرا
برفت از جای خود قطب فلک چون قطب پنہان شد

مرثیہ کے اس شعر کے علاوہ بھی امیر خسرو نے اپنی مثنوی مجنون لیلیٰ میں اپنے مرشد کو قطب قرار دیتے دیتے ہوئے فرمایا ہے :

قطب زمن و پناہ ایمان سر حلقۂ جملۂ کریمان

برصغیر پاک و ہند میں خواجہ معین الدین چشتیؒ ، قطب الدین بختیار کاکیؒ اور بابا فریدؒ جیسے صوفیائے کرام کے حسن پندار ، حسن گفتار اور حسن کردار نے غیر مسلموں کے قلوب و اذہان کو تسخیر کرکے دین اسلام کی جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں وہ سلطان محمود غزنوی جیسے فاتح ، سلطان محمد غوری جیسے مبارز جو اور سلطان علاء الدین خلجی جیسے کشور گشا کی ضربت شمشیر کے بس کی بات نہ تھی ۔ غلبۂ اسلام کی خاطر سلاطین دین کی افواج قاہرہ کے ہاتھوں ہزاروں لوگ لقمۂ شمشیر بن گئے لیکن سلطان دین ، خواجہ نظام الدین ، کے دست حق پرست پر ہزاروں لوگوں نے برضا و رغبت اور بلامزاحمت اسلام قبول کر لیا اور ان کے حسن عمل کے باعث کسی کا گریبان تک پھٹنے نہ پایا ۔ بیت زیر میں انھوں نے اپنے مرشد معنوی کے اس روحانی تصرف کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے :

ہزاران جانہا کان خاک شد لیکن ز بہر دین
نہ جیبی پارہ گشت و نی شکافی در گریبان شد

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں کہ جب سے سلطان طریقت نے دنیا سے باہر اپنا دربار لگا لیا ہے (فوت ہوگئے ہیں) اس دنیا میں بارگاہ فقر ویران ہوگئی ہے ۔ اب

ان جیسا پیشوا کہاں ؟ ظاہر ہے امیر خسروؒ کے لیے ان کے اپنے پیر و مرشد حضرت نظامؒ جیسا سلطان طریقت اور پیشوا اور کون ہو سکتا ہے ۔ مذکورہ شعر درج ذیل ہے :

چو سلطان طریقتِ بارگہ بیرون زد از عالم
تہی شد پیشگاہ فقر چون او پیشوائی کو ؟

اس مرثیہ کے دوران ایک شعر میں انھوں نے کنایتاً محبوب الٰہی کے دسترخوان کی وسعت ، ہزاروں حاجت مندوں کی حاجت روائی اور ان کی داد و دھش کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ایک بار سلطان خسرو خاں نے ان کی خدمت اقدس میں کئی لاکھ ٹنکے بطور نذرانہ پیش کیے تھے جو انھوں نے غروب آفتاب سے پہلے پہلے محتاجوں اور مستمندوں میں بانٹ دیے تھے ۔[1] راقم کے خیال میں امیر خسرو نے اس شعر میں اسی واقع کو تلمیحاً بیان کیا ہے :

ہزاران دست گوئی سرنگون ھر لحظہ بر خوانش
ہزاران کف ستان و پر زر از دست زر افشانش

چشتی سلسلہٴ طریقت میں سماع جائز سمجھا جاتا ہے ۔ ان کے پیر طریقت حضرت نظامؒ بھی سماع کے بے حد شائق تھے ۔ درج ذیل شعر میں انھوں نے ذوق سماع کا جواز پیش کیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کے مقابل ان کا دفاع کیا ہے :

سماع اینست بہر شعلہ ہای شوق پنہانی
ز علم من لدنی داشت فتوی ورنہ نشنیدی

بند ہفتم ، بیت نمبر ایک میں ”مسیح عہد“ سے مراد بھی حضرت نظامؒ کی ذات با برکات ہے کیونکہ امیر خسروؒ نے اپنے کلام میں اکثر انھیں ”مسیح“ کے نام سے یاد کیا ہے ۔ مثلاً سکندر نامہٴ خسروی میں فرماتے ہیں :

بہ حجت مسیحی در آخر زمان بر اہل زمین حجت آسمان

مندرجہ ذیل شعر سے اس ترکیب بند کے مرثیہٴ نظام اولیا ہونے کے بارے میں رہے سہے شکوک و شبہات بھی ختم ہو جاتے ہیں :

چو برد ایزد ولی اللہ نظام الدین محمد را
ولی شد ھر مرید او نظام دین احمد را

خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس شعر کی شباہت خسرو کے ایک اور شعر میں بھی جھلکتی ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے بارے میں مثنوی مجنون لیلیٰ میں ارشاد فرمایا ہے ۔ تقابل کے لیے وہ شعر ملاحظہ ہو :

۱۔ ڈاکٹر وحید مرزا ، زندگی و آثار امیر خسرو ، ص ۱۳۱ ۔

در شرع نظام دین احمد یعنی کہ نظام دین محمد

اس مرثیہ کے بند ہشتم کا شعر نمبر ۵ تحقیق کے لحاظ سے حد درجہ اہمیت اور انتہائی دور رس نتائج کا حامل ہے کیونکہ اس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی تاریخ وفات خسرو کے دستور کے عین مطابق بڑی صراحت کے ساتھ منظوم کی گئی ہے جو راقم کے نزدیک صحیح ترین اور مستند ترین ہے۔ یاد رہے کہ حضرت خواجہ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بہرحال عام طور پر ان کی تاریخ وفات ۱۷ ربیع الثانی مانی جاتی ہے۔ شاید اسی بنا پر ان کا عرس بھی اسی تاریخ کو منایا جاتا ہے اور اس موضوع پر ''بڑی سترھویں'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی گئی ہے۔ اب اس مرثیہ میں دی گئی تاریخ کی روشنی میں امید واثق ہے کہ اس بارے میں اختلاف رائے ختم ہو جائے گا کیونکہ راقم کے تئیں اس ضمن میں ان کے یار غار اور محب مؤرخ، امیر خسرو کا قول قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ حضرت خواجہ کی تاریخ وفات کے بارے میں اس تازہ ترین انکشاف کے بعد عرس کی تاریخ پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اگرچہ هژده (۱۸) کی جگہ هفده (۱۷) بھی آسکتا ہے مگر اس نسخۂ منحصر بفرد میں هژده (۱۸) ہی مرقوم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی اس یگانۂ روزگار مرثیہ کا کوئی ایسا نسخہ ہاتھ آ جائے جس میں ''هژده ز ماه'' (چاند کی اٹھارہ) کی جگہ ''هفده ز ماه'' (چاند کی سترہ) لکھا ہوا ہو۔ بہرحال تب تک خسرو کی دی ہوئی اس تاریخ وفات کو ہی حضرت نظام الدین اولیاء کی اب تک مستند ترین تاریخ وفات ماننا ہوگا۔ متذکرہ بالا شعر درج ذیل ہے:

ربیع دوم و هژده ز مه در ابر رفت آن ماه

۱۸ ربیع الثانی

زمانہ چون شمار بیست دارد پنج و هفتصد را

$700 + 5 + 20 = 725$

یہ روایت کس خسرو شناس کو معلوم نہیں کہ حضرت محبوب الٰہی حضرت امیر خسرو کو ''ترک اللہ'' کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ بند نہم کے آخری شعر میں انھوں نے اپنے مرشد کی زبان سے ''ترک اللہ'' کے خطاب کو اپنے لیے حصول جنت اور نجات اخروی کا وسیلہ قرار دیا ہے جیسا کہ قصیدۂ حضرت نظام الدین کے ایک شعر میں بھی انھوں نے بارگاہ نظامی سے ''ترک اللہ'' کا خطاب عطا ہونے پر فخر و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

بر زبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت

دست ترک اللہ بگیر و با الهش می سپار

بند دهم کے بیت نمبر ۱۰ میں مرثیہ نگار نے اپنے مرشد کے ماسوی اللہ سے

چشم پوشی اور ان کے رویت جمال خداوندی میں ہمہ تن اشتعال کا ذکر کیا ہے:

چو مشغول جمالی وز سوی الله چشم بر بستی
ازانجانب نگویم سوی دیگر چشم را واکن

جیساکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سبھی سوانح نگار جانتے ہیں کہ آپ نے تمام زندگی عائلی زندگی تشکیل نہ دی اور ہمیشہ تجرد کی زندگی گزاری۔ درج ذیل شعر میں غالباً امیر خسرو نے اپنے پیر طریقت کی زندگی کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے:

چو عشق پاک را ز آلایش شہوت نیالودی
وصال جاودان از قرب رب العالمین بادت

مندرجہ بالا اشعار کے پیش نظر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ یہ ترکیب بند درحقیقت حضرت نظام الدین اولیاء کا مرثیہ ہے جو آن کی وفات کے بعد ان کے دل و جان سے چاہنے والے اور چہیتے مرید حضرت امیر خسرو نے صدیوں پہلے لکھا تھا اور اب تک اہل جہاں کی نظروں سے پنہاں تھا۔

اس مرثیہ کا کوئی دوسرا نسخہ تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر خسرو کے آخری شعری مجموعہ یعنی دیوان نہایت الکمال کے قلمی نسخے ان کے دیگر دواوین کی نسبت بہت معدود ہیں اور اس کے انڈیا آفس و برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں کے مائیکرو فلم (مملوکہ جناب اقبال صلاح الدین) اور کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب کے بعض دیگر قلمی نسخے جو راقم کی نظر سے گزرے ہیں ان میں یہ مرثیہ بعض نامعلوم اور نامفہوم وجوہ کی بنا پر معدوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا موازنہ اور مقابلہ نہیں ہو سکا اور اس کی تصحیح قیاساً عمل میں لائی گئی ہے۔ موجودہ متن اس مرثیہ کا محض نقش اول ہے اور امید واثق ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد خسرو شناس دوستوں کی تلاش و جستجو کے نتیجہ میں اس مرثیہ کے دوسرے نسخے بھی سامنے آئیں گے اور اس کے صحیح تر متن کا تعین کیا جا سکے گا۔

مرثیهٔ حضرت خواجه نظام الدین اولیاء رح

نوشتهٔ امیر خسرو رح

(۱)

۱- معظم بنده ای[۱] کو را خدای مهربان خواند
بدرگاه خودش از بهر قرب جاودان خواند

۲- پر از انوار رحمت صد جهان دیگرش بخشد
ز بهر جلوهٔ عزت گر او را زین جها ن خواند

۳- کمندی بخشد از حبل الله آن عیار پر دل را
که او را از حضیض خاک سوی آسمان خواند

۴- عنایت با هزاران لطف و دلداریش پیش آید
بسان دوستی کو دوستی را میهمان خواند

۵- چو آن بنده بشوید لوح کاف و نون رسد آنجا
رقمهای نهان بیرون ز نقش کن فکان خواند

۶- ز حرف کن کی آلاید[۲] زبان پاک دانائی[۳]
که رمز تختهٔ انی انا الله بی زبان خواند

۷- گدازد نور طیب کور طینت هم رود بالا
ز منشور قضا دیباچهٔ نور و دخان خواند

۸- بر آید گرد آن ذروه[۴] که آنجا حمد شد نازل
ملک آید[۵] سلام الله اش[۶] اندر گوش جان خواند

۹- شود حافظ ولیک از لوح محفوظ اندران مکتب
برون از دورهٔ حلقه[۷] هان خسرو نهان خواند

۱۰- بدین مایه نباشد بنده ای جز مقتدای ما
که ازوی مقتدی اسرار وحدت هر زمان خواند

۱۱- نظام حق که چون انی عبیدک[۸] بر زبان آید
برو لبیک عبدی کردگار مهربان خواند

۱- ن ل : بندهٔ ۲- ن ل : حرف کن کی الاید ۳- ن ل : دانای
۴- ن ل : دزده ۵- ن ل : بسراید ۶- ن ل : آتش
۷- ن ل : دور به حلقه ۸- ن ل : جوان نی

۱۲- فرید اول اندر سلک خاصان چون گزین آمد
فرید دوم اندر سلک ایشان اینک این آمد

(۲)

۱- کسی کش آرزو[1] باشد بملک کبریا رفتن
بود تا جان و سر بر جای کی[2] شاید بپا رفتن؟
۲- ز عین عشق باید ساخت نعل مرکب همت
که بی این نعل نتوآن آن ره بی منتها رفتن
۳- بروح القدوس باید شد ز بهر بام علیین[3]
که نتوان از پر شیطان ببام کبریا رفتن
۴- قدم ز آلایش طینت برون باید نهاد آنرا
بلوث آب وگل نتوان بصدر پادشا رفتن
۵- روش[4] بر آسمان باید که خس را هم بود ممکن
دوان بر آب یا پران ببالای هوا رفتن
۶- بصدر قرب شد جا خواجه[5] ما را چنین باری
که از دارالفنا باید سوی دارالبقا رفتن
۷- نشاید مرده خواند آن زندهٔ جاوید را هی هی[6]
که از زیر زمین داند ببالای سما رفتن
۸- براه مصطفا رفت و رسید و بوسه زد برپا
که بودش پی به پی[6] دنبال پای مصطفا رفتن
۹- چو هستی جز خدا را نیست زد برنیستی خیمه
که با هستی ادب نبود بدرگاه خدا رفتن
۱۰- هم اندر زندگی شد روح صافی کاندران حضرت
همه تن روح باید گشتن و از[8] خود جدا رفتن
۱۱- همه کس زین سرا خود میرود تا آن سرا لیکن
چو او باید دو منزل برتر از هر دو سرا رفتن
۱۲- ازان پروانهٔ یدعوکم الله[9] یافت ذات او
که سر لی مع الله[10] بود مضمون برات او

۱- ن ل: ارزد
۲- ن ل: جامکه
۳- ن ل: پیام علیین
۴- ن ل: روسن
۵- ن ل: ههی
۶- ن ل: نی به نی
۷- ن ل: بهر
۸- ن ل: و ز
۹- ن ل: یدعوکم بالله
۱۰- ن ل: مربی مع الله

(۳)

۱- عیانست[1] اینکه[2] می بینیم[3] یا خواب و خیالست[4] این
زمینست[5] این نمیدانیم یا گنج جهالست این
۲- مسلسل قصهٔ خالی که اینک[6] زلف و رویست آن[7]
غرور نامهٔ خالی که اینک خط و خالست این
۳- فقیری از خرابی چند تازنده[8] که ملکست آن
لئیمی بر کاوخی چند درنده که مالست این
۴- یکی امروز شد پیدا و دیگر روز ناپیدا
عجب کاری چه‌مشکلست آن تعالی‌الله چه حالست این
۵- بسا ضحاک و جم کان خورد گیتی شد مشو غره
بروز خویش آ[9] رستم همان[10] خونخواره زالست این
۶- بملک نیمروز ای آفتاب[11] گشته روشن
مکن گرمی گرت گویم که هنگام زوالست این
۷- بگرد آوردن دنیا ز پیرانرا[12] که می بینی
بسان شهوت طفلان ببازی سفالست این
۸- صفای شیخ مارا بود آن آئینهٔ ای[13] در دل
که دیدی نقشهای عالم و گفتی خیالست این
۹- فلک کان از[14] شکم چندین ولد زاید همی هر دم
خلف یعنی دگر مانند او زاید محالست این
۱۰- بر آنگونه[15] که شد ختم رسالت بر رسول ما
ولایت ختم شد بر شیخ ما کز وی مثالست این[16]
۱۱- چو دیدندش بحق مشغول دو پرسنده در تربت
نکردند این قدر جرأت که هنگام سؤالست این ؟
۱۲- بخاکش سبزهٔ رحمت چو از ابر کرم روید
خضر با سبز پوشان فلک نیز این محل جوید

۱- ن ل : منالست ۲- ن ل : اینک ۳- ن ل : بینم
۴- ن ل : خواب خیالست ۵- ن ل : نمیدانم ۶- ن ل : این
۷- ن ل : درونست آن ۸- ن ل : چند تار نده ۹- ن ل : کای
۱۰- ن ل : خان ۱۱- ن ل : بملک نیم روزی کا فتاب ۱۲- ن ل : رهبرا نرا
۱۳- ن ل : آئینه ۱۴- ن ل : نه
۱۵- ن ل : بران گونه ۱۶- ن ل : شیخ کز وی منالست این

(۴)

۱- چه روز است این که در عالم ز خون دیده طوفان شد
چه سوز است اینکه از طوفان آتش خلق بریان شد
۲- کجا مانیم زنده چون زبان شد در گلو خنجر
چسان بینیم گیتی چون مژه در دیده پیکان شد
۳- فرشته تهنیت گردان جهان را بهر جان تو
و لیکن داشت بهر این جهان ماتم که بیجان شد
۴- ملایک طرقو گویان رسیدند از فلک زینسو
چو استدعای سلطان مشایخ سوی یزدان شد
۵- چو روح پاک او برشد باوج هفتمین ایوان
زحل از دیدنش زنار بگسست و مسلمان شد
۶- بسان مردم از سه روح شد بر آسمان زنده
چو بر روح الله و روح الامین آن روح میهمان شد
۷- تنش هم بر فلک رفتی بدان تعظیم شد در گل
که جسم انبیاء و اولیاء در خاک پنهان شد
۸- چو تابان گشت خورشید از پس آن آفتاب دین
همان نور رخ خورشید بر خورشید تابان شد
۹- اگرچه او سوی[1] یزدان برفت از نالهٔ خلقی
اجل شرمنده و گردون خجل ، اختر[2] پشیمان شد
۱۰- غلطها افتد اندر سمت قبله بعد ازین زیرا
برفت ازجای خود قطب فلک[3] چون قطب پنهان[4] شد
۱۱- هزاران جانها کان خاک شد لیکن ز بهر دین
نه جیبی[5] پاره گشت و نی شکافی در گریبان شد
۱۲- چو نعشش دید قاری[6] بر فراز چرخ زنگاری
بران شد افتد از بالا شود این نعش را قاری

(۵)

۱- خوشست این بوستان لیکن درو برگ وفائی کو
به است این باغ لیک از وی بری راحت فزائی کو

۱- ن ل : سوئی
۲- ن ل : آخر
۳- ن ل : فلک قطب
۴- ن ل بنیان
۵- ن ل : جبینی
۶- کذا فی الاصل

۲- هزاران عکس در آئینه های[1] آسمان پیدا
علی العکس اندر آنها صورت صدق و صفائی کو

۳- مروت از جهان[2] سیماب شد کبریت احمر شد
بچندین تودهٔ گل[3] از سعادت کیمیائی کو

۴- شگفته هر کس از باد غرور خویشتن چون گل
زر و سیمیش تو بر تو ولی بوی عطائی[4] کو

۵- چو خضرای دمن هر مهتری سر سبزه و تازه
ولی در وی کرم مقدار برگ گندنائی کو

۶- به بین تا چند پاکانرا زمانه میکشد هردم
جز افسوس و دریغ و آه رسم خونبهائی[5] کو

۷- چو سلطان طریقت بارگه[6] بیرون زد از عالم
تهی شد پیشگاه فقر چون او پیشوائی کو

۸- ره افتد آن طریقت ره نوردی را کنون هرجا
که پیرما[7] بمنزل رفت چون او رهنمائی کو

۹- نشانی داشت خوانش[8] از خلیل و یوسف و عیسیٰ
کجا آن نعمت و بر آنچنان خوانی[9] صلائی کو

۱۲- هزاران دست گوئی سرنگرن هر لحظه بر خوانش
هزاران کف ستان و پر زر از دست زر افشانش

(۶)

۱- نفس[12] ز اخلاص در سبع مثانی چون بجنبیدی[13]
ازان باد نفس سبع شداد آن دم[14] بلرزیدی

۲- نوشتی قصهٔ یوسف ز اشک عارفان بر رخ
ز یاسین زنده کردی مردگان را چون بخندیدی[15]

۳- سماع اینست بهر شعله های شوق پنهانی[16]
ز علم من لدنی داشت فتوی ورنه نشنیدی

۱- ن ا : اینهای
۲- ن ا : حسان
۳- ن ا : توبه گل
۴- ن ا : بوئی عطائی
۵- ن ا : خون بهای
۶- ن ا : بارگاه
۷- ن ا : پسرما
۸- ن ا : اخوانش
۹- ن ا : آنچنان بر خوان
۱۰- بیت دهم در نسخهٔ اساسی نیامده است
۱۱- بیت یازدهم : ایضاً
۱۲- ن ا : بغن
۱۳- ن ا : خون بجیدی
۱۴- ن ا : سبع شد اوان دم
۱۵- ن ا : خون بجنیدی
۱۶- ن ا : بنیانی

۴- ز پر جبرئیلی[1] می پرید از بس که بر بالا
دو عالم پیش چشمش نیم پر پشه نیارزیدی
۵- نگنجید از بزرگی در جهان زان رفت ازو بیرون
نگنجیدی جهان در خود گر آن در وی بگنجیدی
۶- بداماں مریدی نقد درویشی نیفگندی
مگر آنرا که داماں دل از دو کون برچیدی
۷- عوام عابدان را از پی درمان دعا گفتی
ولی خاصان خدمت را متاع درد بخشیدی
۸- بعین عفو شستی لوث چرک دیدهٔ هرکس[2]
فرو پوشیدی از ذیل کرم وان پرده ندریدی
۹- فقیران را بصد تعظیم با خود همنشین کردی
بخواری دیدی اهل مال را زان شرم کم دیدی[3]
۱۰- شدی خوش گر مثل تردامنی آبی بکس[4] دادی
وگر زاهد بدی[5] خورشید زهد خشک نخریدی
۱۲- سران دولت از عز کلاهش مانده سر درکش
گدایان خلق پیشش به از[7] خانان لشکرکش

(۷)

۱- در آندم کان مسیح عهد درکوئی گزر کردی
نه مرده بل جمادی را بیک دم جانوری کردی
۲- شدی در حال یاقوت باکلیل[8] فلک در خور
ز چشم مهر اگر در سنگ ناقابل[9] نظر کردی
۳- جهان تاریک گردد بعد ازین کان شمع روشن شد
که هر صبح آفتاب از وی چراغ خویش بر کردی
۴- هم از کوب قدم هفت اختر اندر گل فرو بردی
هم از باد نفس نه چرخ را زیر و زبر کردی
۵- نهفتی از حیا نور خود از مه هم بنور او
که پیدا هم ز نور خویش خورشید دگر کردی

۱- ن ل : ز بهر جبرئیلی ۲- ن ل : چرکی دیدهٔ از کس ۳- ن ل : شرم دیدی
۴- ن ل : آبی بکس ۵- ن ل : بودی
۶- بیت یازدهم در نسخهٔ اساسی نیامده است ۷- ن ل : بیشمش به ار
۸- ن ل : یاقوب ما کلیل ۹- ن ل : سگ ناقابل

۶- تو نشنیدی کراماً کاتبین شرح نیاز از خون
چو از خونابهای شوق هردم دیده ترکردی

۷- ملائک همچو گنجشکان پریدن کم بماندندی
ز بس آن[1] گریهٔ درد اندران مرغان اثر کردی

۸- جهانی سوخت آه از بهر آن عاشق که هر ساعت
جهانی سوختی زان آه گر سوز جگر کردی

۹- گلی بود از ریاض قدس کو از غنچهٔ خندان
تبسم بیش بخشیدی تبسم بیشتر کردی

۱۰- شهان دریای زر اندر زمین غرقه کنند لیک او
بدرویشی زمین را غرقه در دریای زر کردی

-۱۲ اگرچه جون را بود از روش پیش درش آبی
ز رشک بخشش او خشک گشت و رفت پرتابی

(۸)

۱- چو برد ایزد ولی الله نظام الدین محمد را
ولی شد هر مرید او نظام دین احمد را

۲- یگانه بود فرد الدهر در آفاق خلفش[3] نی
چو اوحد بود چون گویم که بود او ثانی اوحد را

۳- حضوری بود داغش از شرار[4] عاشقی از دل
که از نقش حضور اوست آن ذات مجرد را

۴- ولی بود او شهید عشق در هر دوجهت زنده
کجاه کو تهمت مردن نهد آن حی سرمد را

۵- ربیع دوم و هژده زمه در ابر رفت آن مه
۱۸ ربیع الثانی
زمانه چون شمار بیست دارد پنج و هفتصد[6] را
۷۰۰+۵+۲۰=۷۲۵

۶- دمید اندر ظلام خاک صبح صادق اندر دم
چو آن خورشید نورانی ز نور آراست مرقد را

۱- ن ا : کان
۲- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد
۳- ن ا : حستش
۴- ن ا : شراری
۵- ن ا : کسی
۶- ن ا : دادو پنج هفتصد

۷- ز بهر اوست ما را غم که نبود زنده را ماتم
ولی سوز فراقش میکند دیوانه بخرد را
۸- سخن ز اخلاص میگویم چه کردم از وفاداری
نکردم خویش را بسمل نه آتش در زدم خود را
۹- فغانی چند کردم گریهٔ تزویر هم لختی
اگر این راست بودی سوختی هم دام هم دد را
۱۰- کم از هندو نباید[1] بود خود دیدم که[2] چون آتش
بآتش داد او پرکاله، پرکاله تن خود را
۱۱- نپندارم[3] که خود را مؤمنی کشتی بمرگ کس
روا بودی اگر این رسمها دین محمد را
۱۲- برهمن را چو عشق یار و بت این سوز فرماید
نگه کن اهل دل را سوز حب الله چه فرماید

(۹)

۱- رخت[4] ای جان پاکان جان پاکان زار روی تو[5]
زمان مردن آمد پاک جانان را بکوی تو
۲- گر از دریای عالم دست شستی برحقی زیرا
که از جنت رحیق و سلسبیل آمد بجوی تو
۳- چو اندر بارگاه قرب یابی بار ربانی
ز هر باریکیی[6] کز پوست بیرون داد موی تو
۴- کسی کو روی تو[7] دیدی خدا یاد آمدش زیرا
که بود آئینهٔ رویت لوجه الله روی تو
۵- توئی چون گلستان عشق روح کرخی و بلخی
چو زنبوران گل گرد تو میگردد ببوی تو
۶- بدنیا نیز طوبیٰ سایه گستردی اگر رضوان
به بیخ طوبیٰ افگندی نمی ز آب وضوی تو
۷- ملک گر بر نشستن خواستی تنگ آمدی در خط[8]
اگر در مجمره[9] قطره فکندی ارغبوی تو[10]

۱- ن ل : مندو نیابد
۲- ن ل : که دیدم خود که
۳- ن ل : نه پندارم
۴- ن ل : برفت
۵- ن ل : رویتو
۶- ن ل : باریکی
۷- ن ل : رویتو
۸- کذا فی الاصل
۹- ن ل : مجره
۱۰- کذا فی الاصل

۸- بیان خلق حق شمه بشمه کردی اخلاقت
که از خلق پیمبر صد شمامه داشت خوی تو
۹- ز سر کرده ملایک پیش رویت سجدهٔ آدم
قضا محکم زده ابلیس را از گفت و گوی تو
۱۰- توئی در اوج علیین رسیدن کی توان در تو
وگر نه مخلصان پیش از اجل آیند سوی تو
۱۱- ز بهرت گرچه دل غربیل شد چون تو نئی[۱] درگل
چه بیزم خاک بیهوده ز بهر جستجوی تو
۱۲- بس است این یک[۲] اضافت بهر جنت فتح باب من
که کردی[۳] از زبان خویش ترک الله خطاب من

(۱۰)

۱- چه ماندی در حجاب قدس آخر پرده بالا کن
بچشم عاشقان ذات مقدس را هویدا کن
۲- چو زینجا جز لباس حق نبردی سوی آن عالم
ز نگهت طیلسان[۴] مشتری بستان مصلا کن
۳- قیامت آمدست و منتظر کانجم فرو ریزد
سماع زهره کن در گوش و یکره دست بالا کن
۴- غلط کردم که تو مستغرق الحان داؤدی
ز نعمتهای آن دعوت نصیبی بهرهٔ ما کن
۵- نیابد اطلس گردون کند آزرده[۵] پایت را
بفردوس اندرون نعلین ادریس است در پا کن
۶- چو اندر بارگاه قرب یابی بار ربانی
درون تر شو سلام الله بگوش وحدت اصغا کن
۷- قدمگاه نبی شد عرش ادب نبود بران رفتن
ولی بنشین بکرسی تکیه[۶] بر عرش معلا[۷] کن
۸- ز معراجی که دارد بایزید از حد آن بگذر
باوج لامکانش زین دو سه گامی تماشا کن

۱- ن ل : خونتونه ۲- ن ل : اینک ۳- ن ل : کردی
۴- ن ل : طیلیان ۵- ن ل : از روه
۶- ن ل : یکته ۷- ن ل : مولا